حکیم محمود احمد ظفر سیالکوٹ

قسط ۳

ہندوستان میں عیسائیت کی یلغار

انگریزوں نے اپنی حکومت کے خیر خواہوں اور ان ماہرینِ تعلیم کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے عملاً اسکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں اور دیگر سرکاری اداروں میں انگریزی کو لازمی زبان قرار دے دیا۔ تورات و انجیل کے مخصوص اور منتخب حصوں کے پڑھنے کے لئے انگریزی زبان کا ناجائز استعمال کیا گیا اور اسلامی زبانوں کی تعلیم و تدریس کی راہ میں ہر قسم کی رکاوٹیں کھڑی کی گئیں۔ ان زبانوں کے سیکھنے اور سکھانے والوں کو ملازمت کے بہت سے مواقع سے محروم رکھا گیا۔ کیونکہ وہ مشنری اسکولوں میں اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کے قائل نہ تھے۔

گورنر جنرل ہند لارڈ ولیم بینٹنگ نے انیسویں صدی کی تیسری دہائی میں اپنے مشیرِ خاص مؤرخ ماکولی کے مشورہ پر یہ قانون بنایا کہ انگریزی زبان کی تعلیم و تدریس کا اعلیٰ انتظام کرنا حکومت کی اولین ذمہ داری ہے۔ چنانچہ انگریزوں نے ملک کے مختلف حصوں میں اس نہج پر چلنے والے اسکول اور کالج قائم کئے۔ (اتول ترجی! الہند الجدیدہ ص ۱۳۵، شاتلیہ! الغارۃ علی العالم الاسلامی ص ۸ نور الدین داؤد! محنۃ فی الفردوس ص ۱۸۸)

۱۸۳۵ء میں لارڈ میکالے نے ماہر تعلیم ہونے کے ناطے حکومت برطانیہ کو ایک ایسا نظامِ تعلیم مرتب کرنے کی ضرورت پر زور دیا جو انگریزی حکومت کی مصلحتوں کو ملحوظِ خاطر رکھے۔ اور اس بات پر بھی زور دیا کہ مشرقی زبانوں کے بجائے انگریزی زبان کو ذریعۂ تعلیم قرار دیا جائے۔ اس نے کہا کہ ہمیں ایسے لوگ چاہئیں جو ہمارے اور ہماری رعیت کے مابین ترجمان کا کام دیں اور یہ لوگ ایسے ہونے چاہئیں جو رنگ و خون کے لحاظ سے تو ہندوستانی ہوں لیکن ذوق و رائے اور زبان و فکر کے لحاظ سے انگریز ہوں۔

(الصراع بین الفکرۃ الاسلامیۃ والفکرۃ العربیۃ ص ۱۶۷ لابی الحسن علی الندوی)

انگریزوں کی اسلامی زبانوں سے دشمنی کا دوسرا مرحلہ یہ تھا کہ ہندوستان کی قدیم زبانوں کے احیاء کی حوصلہ افزائی کی جائے تاکہ ہندوؤں کی تاریخ اور تمدن سامنے آسکے اور ان کے اور مسلمانوں کے درمیان فرقہ واریت کو ہوا دی جائے۔ چنانچہ انگریزوں نے کلکتہ میں ۱۸۰۰ء میں "دان جیکرسٹ" نامی ایک مستشرق کے زیر اہتمام "فورٹ ولیم کالج" قائم کیا۔ اس کے علاوہ انگریزی، لاطینی اور سنسکرت کی تعلیم دینے کے لئے بہت سے کالج کھولے گئے۔ اس کا نتیجہ یہی نکلنا تھا کہ زبان، ثقافت اور تہذیبی روایات کے تضاد کی بناء پر مسلمان اور ہندو طلبہ کے مسائل بڑھ گئے۔

سنسکرت کو سبھوں کے لئے لازمی کر دیا گیا۔ مہاتما گاندھی نے ایک مرتبہ اعلان کیا تھا کہ: "ہندوؤں کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ اردو زبان کا مطلق سہارا نہ لیں کیونکہ یہ صرف مسلمانوں کی کتابوں کی زبان ہے۔ لیکن جہاں تک سنسکرت کا معاملہ ہے تو یہ ہندوستان کی مذہبی امہات کتب کی زبان ہے"۔

(ابوالحسن علی الندوی! المسلمون فی الہند ص ۱۱۲، انور الجندی! العالم الاسلامی والاستعمار ص ۳۶۳-۳۶۵، ساداتی! تاریخ المسلمین فی شبہ القارۃ الہندیۃ جلد ۲ ص ۳۲۵)

ماہرین تعلیم نے انگریزوں کو جو تعلیمی پالیسی اختیار کرنے کا مشورہ دیا اس کے کیا نتائج بر آمد ہوئے۔ اس کو بھی ایک انگریز مونسیہ ولیمس کی زبان سے سنیئے:

"وہ (مسلمان) اپنی زبان کو خیر باد کہتے ہوئے اپنی ادبیات، فلسفہ اور دین کو حقیر سمجھتے ہیں اور ہماری تربیت سے جو انحطاط ہوتا ہے اس کا آخر ہم سے بدلہ لیتے ہیں"۔

(میجر بالو! ہسٹر آف ایجوکیشن ص ۷۰، ابوالحسن علی الحسنی الندوی: الصراع بین الفکرۃ الاسلامیہ والفکرۃ الغربیۃ ص ------)

گستاف لیبیان نے مونسیہ کے کلام پر یہ حاشیہ چڑھایا ہے کہ:

"اس پر مستزاد وہ زبردست فکری شکوک و شبہات تھے جو خالص مغربی تربیت کی بناء پر ہندوستان کے تعلیم یافتہ لوگوں کے ذہنوں میں پیدا ہو گئے تھے۔ کیونکہ وہ تربیت اخلاق سے عاری ہوتے تھے۔ چنانچہ ان کے عادات و اطوار میں ان پختہ دینی بنیادوں کا فقدان ہوتا جو ہمیشہ کے لئے ان سے جدا ہوئی تھیں"۔ (حضارات الہند ص ۶۹۳)

نتائج تو ان مدارس و کلیات کے یہی نکلنے تھے جو نکلے اور آج تک نکل رہے ہیں۔ کیونکہ ان کے قیام کی غرض و غایت ہی مسلمانان پاک و ہند کو دین اور دینی اقدار سے دور لے جانا تھا تاکہ وہ اپنی دینی قومیت اور روحانی تاریخی ورثے کو یک قلم فراموش کر کے انگریزی حکومت اور اس کی تہذیب کی مضبوطی کا باعث بنیں۔ یہ مدارس اور کالج ہندوؤں کے فائدے کے لئے بھی نہ تھے کیونکہ ایک انگریزی ماہر تعلیم نے حکومت کو اس بارے میں یہ مشورہ دیا تھا کہ:

"ہندوؤں کی بھی اتنی ہی تعلیم و تربیت کی جائے جتنا وہ ہماری تجارت اور حکومت کے لئے مفید ہو سکیں"۔

(عبدالمنعم النمر! تاریخ الاسلام فی الہند ص ۳۹۸، مسعود عالم الندوی! الدعوۃ الاسلامیہ فی الہند و تطوراتہا ص ۳۰)

یہ درست ہے کہ انگریزی تعلیم نے نہ تو ہندو کو ہندو رہنے دیا اور نہ مسلمان کو مسلمان، نہ سکھ کو سکھ اور نہ عیسائی کو عیسائی لیکن اس سے سب سے زیادہ نقصان مسلمانوں کو پہنچا۔ کیونکہ دیگر تمام مذاہب کا کوئی پس منظر نہیں جبکہ اسلام کی روحانی اور تاریخی طاقت کا کوئی مدمقابل نہیں۔ یہ سارے مدارس و کلیات مسلمانوں کی قومیت کو نیست و نابود کرنے کے لئے کھولے گئے تھے۔ تاکہ ان کے تاریخی اور روحانی ورثہ کو تباہ و برباد کر کے انگریزی تہذیب و ثقافت میں رنگ دیا جائے بلکہ مدغم کر دیا جائے اور ان کے اجتماعی نظم کو غارت کر کے ان کی اجتماعی قوت کو نیست و نابود کر دیا جائے۔ چنانچہ اس بات کا اعتراف ایک انگریز ماکولی نے اپنے باپ کے نام ایک خط میں یوں کیا ہے کہ:

"اس تعلیم نے ہندوستان میں وہ اثر دکھایا ہے کہ انگریزی جاننے والا ایک شخص بھی ایسا نہیں ملتا جو انگریزی جاننے کے بعد اپنے دین کی صداقت پر قائم رہا ہو"۔

(عبدالمنعم النمر! تاریخ الاسلام فی الہند ص ۴۰۱)

مسٹر ہابسن ایک انگریزی ماہرِ تعلیم نے ان الفاظ میں اس تعلیم کے اثرات کا اعتراف کیا کہ:

"ہم (انگریز قوم) ہندوستان میں ہندوستانیوں کی خیریت اور بہبودی کے لئے نہیں آئے بلکہ ہم نے یہاں مدارس و کلیات میں ایک ایسا نظامِ تعلیم رائج کر دیا ہے جس کا بتدریج یہ تقاضا ہے کہ وہ ان کی دینی اور اجتماعی زندگی کو خرافات کے طور پر ان کے سامنے پیش کرے اور انسانی حقوق کی پامالی کا باعث بنے"۔ (ھوبسون: الامیر یالیہ ص ۳۰۶)

مسلم اوقاف پر قبضہ:

مسلمان امراء اور حکام نے مدارس، مساجد اور دوسرے دینی احکام کے سرانجام دینے کے لئے بڑے بڑے اوقاف قائم کئے ہوئے تھے جن کی آمدنی سے یہ ادارے چلتے تھے۔ انگریزوں نے جونہی انگریزی نظامِ تعلیم کو رائج کیا اور اس کی ترویج کے لئے بڑے بڑے مدارس اور کالج قائم کئے ان مدارس و کلیات کو چلانے کے لئے اوقاف پر قبضہ کر لیا اور اس آمدنی پر بھی قبضہ کر لیا جو ان اوقاف سے حاصل ہوتی تھی۔ اور ان ذرائع آمدنی پر بھی قبضہ کر لیا جن سے مساجد اور مسلمان بچوں کی تعلیم کے اخراجات پورے ہوتے تھے۔ بعض مساجد کو گرجا گھروں میں تبدیل کر دیا گیا۔ ان میں دہلی کی ایک مسجد بھی شامل تھی جس پر انگریزوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد قبضہ کر لیا تھا۔ وائسرائے ہند نے بعد میں دہلی کے لئے جب ایک خاص پادری کا تقرر کیا تو اس مسجد کو گرجا گھر میں تبدیل کر دیا گیا۔

(مسعود عالم الندوی! المسلمون فی الھند ص جمال الدین الافغانی! العروۃ الوثقیٰ ص ۱۳۴ عبدالمنعم النمر! تاریخ الاسلام فی الھند ص ۲۵، عبدالعزیز نوار: الشعوب الاسلامیہ ص ۵۵۶)

لارڈ ہیسٹنگز نے ۱۷۷۲ء مطابق ۱۱۸۵ھ میں مساجد کے اوقاف پر قبضہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ لیکن یہ ناکام رہا۔ اس کے بعد لارڈ کارنوالس گورنر جنرل ہند نے ۱۷۹۳ء مطابق ۱۲۰۷ھ میں پھر اوقاف کو سرکاری تحویل میں لینے کی طرف توجہ کی لیکن اس کو بھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ پھر ۱۸۱۵ء مطابق ۱۲۲۹ھ میں انگریزی عدالت نے اپنے ایک انگریز جسٹس کو حکم دیا کہ مسلمانوں کے اوقاف کو چھین لیا جائے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے انگریزی حکومت کی آمدنی میں تین لاکھ پونڈ کا اضافہ متوقع تھا۔ بنگال کے صوبہ کے ٹیکس کی آمدنی کی ایک چوتھائی انگریزوں تک نہیں پہنچ پاتی تھی کیونکہ مدارس اور مساجد کے اوقاف میں شامل اراضی ٹیکس سے مستثنیٰ تھی اور اوقاف زیادہ تر بنگال ہی میں تھے۔

انگریزی زبان کی ترویج اس وقت تک نہیں ہو سکتی تھی جب تک دینی اور تعلیمی ادارے بند نہ ہوں۔ اور ان کو بند کرنے کا نہایت مؤثر طریقہ صرف یہی تھا کہ جن اوقاف کی آمدنی پر وہ ادارے چل رہے ہیں۔ ان اوقاف پر قبضہ کر لیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اسلامی اوقاف پر قبضہ کرنے سے مسلمان اپنے بہت سے اداروں سے محروم ہو گئے۔ اوقاف کے چھن جانے کے بعد مساجد، بڑے بڑے تالاب، پارک اور دوسری کئی ایک چیزیں بالکل ویران ہو گئیں۔ مساجد یا تو گرجا گھروں میں تبدیل کر دی گئیں یا پھر انگریزی حکومت کی بارکوں اور چھاؤنیوں میں۔ انگریزوں کو

اس بات کا خود اعتراف ہے کہ انہوں نے مسلمانوں پر عیدین کی نماز ادا کرنے اور دیگر دینی رسوم پر پابندی عائد کر دی تھی۔ عیسائی مشنریوں نے حکومت سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ جمعہ کو سرکاری چھٹی کا دن منسوخ کر کے اتوار کو سرکاری چھٹی کا دن مقرر کیا جائے تاکہ کسی حال میں بھی سرکاری اداروں میں ملازمین کو اسلامی آداب اور روایات کے سامنے جھکنا نہ پڑے۔

(شاتلیہ: الغارۃ علی العالم الاسلامی ص ۷۴، محمود شاکر! پاکستان ص ۲۶)

ولیم ہنٹر نے اپنی کتاب THE INDIAN MUSLAMAN میں لکھا ہے:

"مسلمان ہم پر یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ ہم نے ان کو دینی امور کے انجام دینے سے روکا ہے۔ انکے نزدیک ہمارا یہ سب سے بڑا جرم ہے کہ ہم نے ان اوقاف کو چھین لیا جو مسلمان سربراہوں نے مساجد اور تعلیم کے لئے وقف کئے تھے اور ہم نے ان کا دوسرا مصرف نکالا۔ عیدین اور نکاح و رواج کے قواعد و ضوابط بدل ڈالے"۔

ہنٹر نے مزید لکھا ہے کہ:

"ہم نے ہندوستان کے مسلمانوں کو ذلیل کیا اور ان کے قانونِ وراثت کو مسخ کر دیا۔ ان کے دینی شعائر کو مضحکہ بناتے تھے۔ ان کی مساجد کے اوقاف اور سارے صوبے ہمارے قبضہ میں آ گئے"۔

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مسلمانانِ ہند ص ۲۰۸، عبدالمنعم النمر، تاریخ الاسلام فی الہند ص ۴۰۹ وغیرھم)

انگریزوں نے صرف مسلم اوقاف ہی پر قبضہ نہ کیا بلکہ جن علماء نے انگریزوں کے خلاف جنگ آزادی میں حصہ لیا تھا ان کی ذاتی جائیدادوں کو بھی غصب کر لیا۔ حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے جب زبان و قلم کے ساتھ ساتھ اپنی فوج کے ہمراہ تیغ و تفنگ سے بھی انگریزوں کے خلاف عملاً جہاد کیا اور بعض لڑائیوں میں انگریزوں کو شکست بھی دی تو تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ اس جرم کی پاداش میں انگریزوں نے حضرت مولانا کی تمام جائیداد بحق سرکاری ضبط کر لی اور بعد میں اپنے چند حاشیہ برداروں بلکہ غدارانِ قوم و وطن کے ہاتھ اونے پونے میں نیلام کر دی۔ لیکن حضرت مولانا قدس سرہ نے اپنی جائیداد کے اس نیلام کو پرکاہ کے برابر بھی اہمیت نہ دی اسی طرح اور کئی دوسرے علماء کے ساتھ بھی کیا گیا۔ ان کو تختہ دار پر چڑھایا گیا بعض کو عبور دریائے شور کی سزا دی گئی۔ لیکن یہ حضرات اپنے مؤقف اور مشن سے ایک بالشت بھی اِدھر اُدھر نہ ہوئے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

علماء پر سختی

ہندوستان میں مشنریوں نے لوگوں کو عیسائی بنانے کے لئے جو یلغار کی اور ہر طریقے سے لوگوں کو انگریزی مذہب اور انگریزی تہذیب و تمدن میں رنگنے کی کوشش کی تو مشنریوں کی یلغار اور انگریزی سامراجیت سے ان کی ملی بھگت سے پیدا ہونے والے خطرات علماء کی نظروں سے مستور نہیں رہ سکتے تھے۔ علماء کی بصیرت اور ان کی دور رس نگاہوں نے فوراً اس فتنہ کو بھانپ لیا اور نہ صرف زبان و قلم سے بلکہ عملاً تیغ و تفنگ سے ان کے خلاف جہاد کرنے پر کمر بستہ ہو گئے۔ علماء اگرچہ بے سروسامان تھے۔ نہ قالین ان کے پاؤں تلے تھے اور نہ چترشاہی سر پر تھا

لیکن درویش جب تاج شاہی سے ٹکراتا ہے تو قباؤں کے پیوند ہی اس کا ساتھ دیتے ہیں۔ جنونِ شوق سے جب دیوانے بادہ پیمائی کو نکلتے ہیں تو بادِ سرگاہی بادِ سموم سے ہم آہنگ ہوتی ہے کہ ریت کے ذرات دیوانوں کی پیشوائی نہ کرسکیں۔ لیکن جن کے سامنے منزل ہوتی ہے وہ آبلہ پائی کے نشانوں پر سفر کرتے ہیں۔ زمانہ کی کوئی رکاوٹ ان کا راستہ نہیں روک سکتی اور نہ وقت کا کوئی فیصلہ ان سے متصادم ہوتا ہے۔ وہ راستہ کے ہر سنگ گراں سے کبھی بچتے اور کبھی اسے پائے استحقار سے ٹھکراتے ہوئے اپنی منزل کی جانب رواں دواں ہو جاتے ہیں۔ آبلہ پائی بھی انہیں سفر سے باز نہیں رکھ سکتی کیونکہ ان کی نگاہ نشانِ منزل پر ہوتی ہے۔ وہ یہ کہہ کر گزر جاتے ہیں کہ:

پاؤں کے چھالوں سے کانٹوں کی بجھائی میں نے پیاس
جس طرف کو میں چلا گویا کہ میخانہ چلا

بجلیاں اس کو راستہ دکھاتی ہیں۔ آسمان کے فرشتوں کو اس کی مدد کے لئے بھیجا جاتا ہے۔ اور ہر ظلم و تشدد کو وہ خندہ پیشانی سے برداشت کرتا ہے۔

انگریزوں کی اس پالیسی کے خلاف علماء نے بغیر کسی خوف و خطر کے فتویٰ دیا کہ انگریزوں کے ساتھ مسلمانوں کے دوستانہ مراسم، تعاون اور مشنری اسکولوں میں مسلمان بچوں کو بھیجنا ناجائز اور حرام ہے۔ علماء نے مساجد کے منبر اور مدارس کے پلیٹ فارم سے خطاب کر کے مسلمانوں کو اس مسئلہ کی سنگینی سے آگاہ کیا۔ اور سامراجیت کے ساتھ ساتھ عیسائیت کے ساتھ سخت مقابلہ کی دعوت دی۔ اس معاملہ میں انگریزوں سے ٹکر لینے میں پیش پیش وہی علاقے رہے جن میں مسلمانوں کی آبادی زیادہ تھی۔ عقیدۂ جہاد کے سرچشمہ سے پھوٹنے والی قوت کا مقابلہ کرنے میں انگریزوں کو سخت مشقت کا سامنا کرنا پڑا۔ اسی وجہ سے انگریزوں نے بعد میں مرزا غلام احمد قادیانی سے نبوت کا دعویٰ کروا کر مسئلہ جہاد کو حرام قرار دینے کی پوری پوری کوشش کی۔ چنانچہ ولیم ہنٹر نے اعتراف کیا ہے کہ انگریزوں کا اولین اور سخت مقابلہ کرنے والے علاقوں میں سرفہرست ہندوستان کے شمالی اور مغربی حصے آتے ہیں۔ کیونکہ ان ہی علاقوں میں علماء نے سب سے پہلے جہاد کے واجب ہونے کا فتویٰ دیا تھا۔ بنگال کے مسلمانوں کا اس کے بعد نمبر آتا ہے۔

عبدالعزیز نوار: الشعوب الاسلامیہ ص ۵۵۹، عبدالمنعم النمر: تاریخ الاسلام فی الہند ص ۲۴۸، ص ۴۴۲)

آپ کے عطیات

محاسبہ مرزائیت و رافضیت کی جدوجہد کو تیز کرنے کے لئے اپنی زکوٰۃ، صدقات اور عطیات اپنی جماعت مجلسِ احرار اسلام کو دیجئے۔

بذریعہ منی آرڈر: سید عطاء المحسن بخاری مدظلہ، دار بنی ہاشم، مہربان کالونی ملتان

بذریعہ بنک ڈرافٹ یا چیک۔ اکاؤنٹ نمبر ۲۹۹۳۲ حبیب بنک حسین آگاہی۔ ملتان۔